POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-04 March 2026, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 87واں سال

Date of Publication: 02-03-2026 • Price: 5/- • 8-14 March 2026 • Issue: 10 • Vol:85

۸تا۱۴/مارچ ۲۰۲۶ء • شمارہ:۱۰ • جلد:۸۵

صحتِ زبان (۴۱)

رؤف پاریکھ

بسا اوقات اردو میں مستعمل بعض عربی الفاظ و مرکبات کا صحیح تلفظ اور مفہوم معلوم نہ ہونے کی وجہ سے الجھن ہوتی ہے اور استعمال میں بھی غلطی کا امکان رہتا ہے۔ اردو میں کثرت سے استعمال ہونے والے چند ایسے مرکبات کا ذکر مقصود ہے۔

بِالقابہٖ

یہ فقرہ دراصل تین الفاظ سے مل کر بنا ہے: 'بِ'، 'القاب' اور 'ہٖ'۔ اس کا درست تلفظ ہے: بِ۔ اَل۔ قا۔ بِ۔ ہٖ۔ بالقابہ کے معنی ہیں: اُس کے القاب کے ساتھ۔ جب کسی محترم شخصیت یا بڑے کا ذکر تحریر میں کرتے ہیں تو اس کے نام کے ساتھ لمبے چوڑے القاب و آداب اور خطابات لکھنے کے بجائے اختصار کی خاطر آخر میں لکھ دیتے ہیں ''بالقابہ''، تاکہ بے ادبی کا گمان نہ ہو۔ مثلاً ''فاضلِ جلیل استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مدظلہ العالی'' وغیرہ لکھنے کے بجائے یوں لکھا جائے گا: مولانا عبدالقدوس صاحب بالقابہٖ۔

اب ذرا اس فقرے 'بالقابہ' کو سمجھ لیتے ہیں۔ 'بِ' (زیر کے ساتھ) عربی کے حروفِ جر میں سے ہے اور یہاں اس کے معنی ہیں: ساتھ، سے[1]۔ بِالقابِ (بِ + القابِ) یعنی القاب کے ساتھ، القاب سے۔ اور 'ہٖ' یعنی اس کا/اس کو۔

طالبِ علموں کے یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ عربی میں حرفِ جر (preposition) اپنے بعد آنے والے اسم (noun) کے آخری حرف کے نیچے کسرہ یعنی زیر لگا دیتا ہے[2] اور بِالقابہٖ کے آغاز میں 'بِ' چوں کہ حرفِ جر ہے اور اس کے بعد اسم 'القاب' آرہا ہے تو لفظ القاب کے آخری حرف یعنی 'ب' کے نیچے زیر لگ جائے گا اور یہ بنے گا بِالقابِ۔ 'ہٗ' ضمیر (pronoun) ہے اور اس کا مطلب ہے: اُس (ایک مرد) کا، اُس کو[3]۔ گویا 'ہٗ' ضمیر واحد مذکر غائب ہے۔ بالقابہٖ کے آخر میں 'بِ' اور 'ہٗ' مل رہے ہیں یعنی یہ 'بِ' اور 'ہٗ' کا اتصال ہے[4] کیوں کہ 'ہٗ' ضمیرِ متّصل ہے یعنی یہ ضمیر اکیلی نہیں آتی بلکہ کسی اور لفظ یا اسم سے اتصال کرکے یعنی ساتھ مل کر آتی ہے[5] جیسے ضمیر 'ہٗ' یہاں لفظ 'القاب' کے ساتھ مل گئی ہے اور مرکب بن گیا: بِ + القابِ + ہٗ۔ لیکن عربی میں قاعدہ ہے کہ جب 'ہٗ' سے پہلے زیر ہو یا جزم ہو تو 'ہٗ' کے بجائے 'ہٖ' ہو جائے گا، جیسے: بِہٖ، علیہِ اور فیہِ[6]۔ یہاں 'بالقابِ' کے آخری حرف (ب) کے نیچے زیر ہے اس لیے یہاں 'بالقابِ' کے بعد 'ہٗ' نہیں بلکہ 'ہٖ' ہوگا۔ گویا یہ بنے گا: بِالقابہٖ، اور اس کے لفظی معنی ہیں: اُس (واحد مذکر غائب) کے القاب کے ساتھ۔

دُنیا وَ مافِیہا

لفظی ترجمہ ہوگا: دنیا اور اس میں جو کچھ ہے۔ یہ فقرہ دراصل اِن الفاظ سے مل کر بنا ہے: دنیا، و، ما، فی، ہا۔ 'دنیا' کا لفظ تو خیر اردو میں بھی اسی مفہوم میں مستعمل ہے، 'وَ' عربی میں 'اور' کے معنی میں بھی آتا ہے اور اسے واوِ عطف کہتے ہیں اور واوِ عاطفہ بھی اسی کو کہتے ہیں۔ دراصل عطف کے ایک معنی 'پھیرنا' کے بھی ہیں اور نحو کی اصطلاح میں عطف سے مراد ہے کسی کلمے یا کلام کو دوسرے کلمے یا دوسرے کلام کی طرف پھیرنا[7]۔ دوسرے لفظوں میں دو یا دو سے زیادہ جملوں یا لفظوں کے ملانے کو عطف کہتے ہیں اور جن حروف سے یہ کام لیا جاتا ہے انھیں حروفِ عطف کہتے ہیں[8]۔

'ما' کے عربی میں اور بھی معنی ہیں لیکن یہاں 'ما' سے مراد ہے: 'جو' یا 'جو کچھ'[9]۔ گویا یہاں یہ اسمِ موصول ہے۔ 'فی' کا مطلب ہے 'میں' اور یہ بھی حرفِ جر ہے۔ 'ہا' یعنی اُس (واحد مونث غائب)۔ ہا ضمیر ہے اور مؤنث کے لیے ہے[10]۔ 'فی' اور 'ہا' کو ملا کر فیہا لکھ دیتے ہیں کیوں کہ 'ہا' ضمیرِ متّصل ہے یعنی کسی اور لفظ یا حرف سے مل کر آتی ہے۔ تو فیہا (فی + ہا) کا مطلب ہوا اُس میں۔ یہاں 'ہا' (ضمیر، مؤنث) لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ 'دنیا' کا لفظ عربی میں مونث ہے لہٰذا 'اُس' (واحد مونث غائب) کا مفہوم پیدا کرنے کے لیے 'ہا' کا لفظ لانا ہوگا کیوں کہ 'ہٗ' مذکر کے لیے ہے اور مؤنث کے لیے 'ہا' ہے۔

یہ فقرہ 'دنیا و مافیہا' اردو کی عبارات میں مثلاً یوں آتا ہے کہ: وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر کتاب پڑھ رہا تھا۔ یعنی وہ مطالعے میں اتنا محو تھا کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اسے اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ 'دنیا و مافیہا سے بے خبر' کے مرادی معنی ہیں: اپنے کام یا خیال میں مکمل طور پر غرق، آس پاس سے بے خبر، جسے کسی چیز کا ہوش نہ ہو۔

طوائفُ المُلُوکی

اس کا مطلب لوگ خدا جانے کیا کیا فرض کر لیتے ہیں کیوں کہ اردو میں طوائف کا مطلب ہے ناچ گانے کو پیشہ بنانے والی نیز فاحشہ۔ اگرچہ اردو میں طوائف واحد ہے، لیکن اس ترکیب 'طوائف الملوکی' میں طوائف کا لفظ اردو میں رائج لفظ (یعنی فاحشہ) کے مفہوم میں نہیں آتا اور نہ واحد کے طور پر آتا ہے، بلکہ طوائف عربی میں جمع ہے طائفہ کی اور طائفہ کا مطلب ہے گروہ، جماعت۔ یوں کہہ لیجیے کہ طائفہ 'گروپ' (group) کے معنی میں ہے[11] اور طوائف یعنی بہت سے گروہ۔

تو اس مرکب 'طوائف الملوکی' میں طوائف کا مطلب 'بہت سے گروہ' ہے۔ مُلُوک جمع ہے مَلِک کی۔ مَلِک یعنی بادشاہ۔ مُلُوک یعنی بہت سے بادشاہ۔ 'ی' اردو میں لاحقۂ اسمیت اور وصفیت کے طور پر بھی آتی ہے۔ گویا طوائف الملوکی کا مطلب ہوا بہت سے بادشاہ ہونے کی حالت یا کیفیت۔ جب کسی ملک میں یہ حال ہو کہ بہت سے طاقت ور گروہ اپنا اپنا حکم چلا رہے ہوں اور کسی طاقت ور اور مرکزی حاکم کے موجود نہ ہونے کی بنا پر مختلف گروہ اپنے اپنے دائرے میں خود حاکم بن بیٹھے ہوں تو کہتے ہیں کہ طوائف الملوکی ہے یعنی مختلف گروہوں کی بادشاہی ہے، الگ الگ گروہوں کی حکومتیں ہیں۔ بدانتظامی، افراتفری اور لاقانونیت ہو، کوئی مضبوط اور مرکزی حکومت موجود نہ ہو تو اسے طوائف الملوکی کہا جاتا ہے۔ اسے انگریزی میں ''انارکی'' (anarchy) کہتے ہیں۔ فلسفے کی ایک اصطلاح اسی مفہوم میں anarchism بھی ہے جسے اردو میں ''انارکیت'' کہا گیا اور اس کا ایک اردو مترادف نراجیت بھی ہے[12]۔

فارِغُ البال

بعض لوگ مذاق میں جس کے سر پر بال نہ ہوں یعنی جو گنجا ہو اُسے ''فارغ البال'' کہتے ہیں لیکن فارغ البال کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ مذاق کی بات اور ہے مگر اس ترکیب میں لفظ 'بال' اردو کا بال نہیں ہے۔ یعنی یہ وہ بال نہیں ہیں جو سر پر ہوتے ہیں اور جس سے گنجے لوگ بقول شخصے 'فارغ' ہوتے ہیں، بلکہ یہ عربی کا بال ہے جس کے ایک معنی

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

ہیں حال، طور، حالت، کیفیت۔ جان رچرڈسن نے اپنی فارسی وعربی بہ انگریزی لغت میں بال کے ایک اور معنی بھی لکھے ہیں اور وہ ہیں: بے چینی، پریشانی [۱۳]۔ اردولغت بورڈ کی لغت نے بھی بال (عربی) کے معنی دیے ہیں: حال [۱۴]۔ گویا فارغ البال سے مراد ہے وہ شخص جسے فراغت کی حالت حاصل ہو، جسے کوئی فکر یا اندیشہ (مثلاً ملازمت یا کاروبار کی فکر، قرض کی ادائی کی پریشانی) لاحق نہ ہو۔ گویا فارغ البال یعنی بےفکرا، [۱۵]۔ فارغُ البال (فا۔رِغُل۔بال) میں دوسرا 'ا' (الف) غیر ملفوظی ہے یعنی اسے لکھیں گے پڑھیں گے نہیں۔ رے کے نیچے زیر ہے اور لام ساکن ہے۔

یادر ہے کہ اردو اور عربی کے علاوہ 'بال' فارسی میں بھی ایک لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں: بازو، پنکھ، پَر۔ مثلاً پرندے کا بازو یا پَر فارسی میں بال کہلاتا ہے۔ اقبال کی کتاب 'بالِ جبریل' کے نام میں یہی فارسی کا 'بال' ہے۔ اسی لیے شاعری میں 'بال و پر' (یعنی بازو اور پَر) کی ترکیب بھی آتی ہے۔ لیکن یادر ہے کہ بازو کے معنی میں یہاں 'بال' فارسی ہے اور عربی میں پرندے کے بازو یا پَر کو جَناح (جیم پر زبر) کہتے ہیں اور اسی سے ذُوالجَناح کی ترکیب بنی ہے جس کا مطلب ہے بازو والا یا پَر والا، کیوں کہ 'ذُو' کے معنی ہیں والا، رکھنے والا، مالک، صاحب [۱۶]۔

لااُبالی

اس عربی فقرے کے لفظی معنی ہیں ''میں پروانہیں کرتا'' یا ''مجھے پروانہیں'' [۱۷]۔ مولفین قاموس الاغلاط کے مطابق اس کے لفظی معنی ہیں: مجھے خوف نہیں [۱۸]۔ لیکن فیلن [۱۹] نے اپنی اردو بہ انگریزی لغت میں اس کا املا ''لاوَبالی'' لکھا ہے جو غلط ہے [۲۰]۔ اس کا درست املا واو (و) اور ہمزہ کے بغیر یعنی 'لااُبالی' ہی ہے کیونکہ عربی میں 'لا' حرفِ نفی ہے، گویا 'لا' کا لفظ 'نہ' یا 'نہیں' کے معنی میں ہے۔ ''اَلا بِـــالۃُ'' (پہلے الف کے اوپر زبر اور دوسرے الف کے نیچے زیر) کے معنی ہیں مال کا بہترین انتظام، حسنِ سیاست [۲۱] اور ''اُبالی'' دراصل عربی کے ''مبالات'' کے مضارع کا صیغۂ واحد متکلم ہے [۲۲]۔

عربی میں لااُبالی کے لفظی معنی 'مجھے پروانہیں' اپنی جگہ، لیکن اردو میں لااُبالی سے مراد ہے بے پروا، غیر ذمے دار، غافل، بےفکر۔ قاموس الاغلاط میں 'لااُبالی' کی سند میں جو اشعار دیے ہیں ان میں سے دو پیش ہیں:

واعظا ! ہو نہ درپئے ناسخؔ
عاشق و رندِ لااُبالی ہے

دوسرا شعر بہادر شاہ ظفر کا ہے:

اس نے غرفہ سے جب نکالی آنکھ
دیکھ لی ہم نے لا اُبالی آنکھ

لَن تَرانی

اس میں لام (ل) پر بھی زبر ہے اور تے (ت) پر بھی۔

عربی میں 'لَن' کا لفظ نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے [۲۳] اور اس کے معنی ہیں: ہرگز نہیں [۲۴]۔ اس عربی فقرے 'لن ترانی' کا لفظی مفہوم ہے: تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھے گا [۲۵]۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت ارشاد فرمائے جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست کی [۲۶]۔

لیکن چوں کہ یہ دعویٰ (کہ تو مجھے ہرگز نہ دیکھے گا) باری تعالیٰ کے سوا کسی کو زیبا نہیں اور نہ کوئی ایسا دعویٰ کرسکتا ہے لہٰذا اردو میں لن ترانی کے مجازی معنی شیخی، ڈینگ، تعلی اور خودستائی وغیرہ کے ہوگئے [۲۷]۔ اسی سے محاورہ بنا: لن ترانی کرنا، یعنی ڈینگ مارنا، شیخی بگھارنا، بڑائی کی باتیں کرنا۔ مثلاً باغ و بہار میں ایک جملہ ہے: ''ایک اور لن ترانی والا ڈینگ مارنے لگا'' [۲۸]۔

برج موہن دتاتریہ کیفی نے لکھا ہے: ''لن ترانی: یہ کلمہ خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ کی جانب خطاب ہوا تھا۔ مگر اب بے جا شیخی اور ڈینگ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے'' [۲۹]۔

لن ترانی عربی کا فقرہ ہے لیکن اردو والوں نے اس کو واحد مان کر اس کی جمع بھی بنالی اور کہتے ہیں ''زیادہ لن ترانیاں مت کرو''۔ یہ ہے اردو کا تصرف، جو اردو کی حد تک بالکل درست ہے اور نوراللغات اور فرہنگِ آصفیہ میں 'لن ترانیاں' کے استعمال کی اسناد بھی موجود ہیں۔

ماحَصَل

جیسا کہ اوپر 'دنیا و مافیہا' کے ضمن میں ذکر ہوا، عربی لفظ 'ما' مختلف معنوں میں آتا ہے۔ اس ترکیب 'ماحصل' میں بھی 'ما' بطور حرفِ موصول آیا ہے اور اس کا مفہوم یہاں 'جو' یا 'جو کچھ' ہے۔ مصباح اللغات کے مطابق حَصَل کے معنی ہیں حاصل ہوا یا باقی رہا۔ گویا ماحصل کا مطلب ہے: جو کچھ حاصل ہوا۔

اسی لیے 'ماحصل' اردو میں خلاصہ، نتیجہ، حاصلِ کلام یا حاصلِ بحث کے مفہوم میں رائج ہے۔ جب کسی مقالے یا مضمون میں بحث کو سمیٹ کر نتیجہ یا خلاصہ پیش کرنا ہو تو اردو میں کہتے ہیں ''ماحصل یہ کہ۔۔۔''۔ یعنی گفتگو یا بحث سے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ یہ ہے۔

حواشی:

۱۔ لغات القرآن (مرتبہ عبدالکریم پاریکھ)، (جہلم: بک کارنر، ۲۰۰۴ء)، ص۳۳؛ نیز عبدالرحمٰن طاہر سورتی، عربی سیکھیے (دو حصے یکجا) (اسلام آباد: ادارۂ فروغِ قومی زبان، ۲۰۲۳ء)، ص۹۳۔ (اشاعتِ نو)

۲۔ عبدالرحمٰن طاہر سورتی، عربی سیکھیے، محولۂ بالا، ص۶۵، ۹۵۔

۳۔ لغات القرآن (مرتبہ عبدالکریم پاریکھ)، محولۂ بالا، ص۳۶۔

۴۔ غلام مصطفیٰ خاں، قرآنی عربی (کراچی: مکتبۂ علیمی، ۲۰۰۸ء)، ص۱۵ (تیسرا ایڈیشن)۔

۵۔ سیّد اعجاز حیدر، معلمِ لغۃ القرآن (لاہور: دارالتذکیر، ۲۰۰۶ء)، ص۳۱۔

۶۔ عبدالرحمٰن طاہر سورتی، عربی سیکھیے، محولۂ بالا، ص۹۸۔

۷۔ غلام مصطفیٰ خاں، جامع القواعد (حصۂ نحو)، (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۳ء)، ص۱۶۲ (پہلا ایڈیشن)۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ عبدالرحمٰن طاہر سورتی، عربی سیکھیے، محولۂ بالا، ص۲۰۶۔

۱۰۔ ایضاً، ص۹۷، ۹۸۔

۱۱۔ فرہنگِ عامرہ (مرتبہ محمد عبداللہ خاں خویشگی)، (اسلام آباد: مقتدرۂ قومی زبان، ۱۹۸۹ء)۔

۱۲۔ کشافِ اصطلاحاتِ فلسفہ (اردو انگریزی) (مرتبہ قاضی عبدالقادر)، (کراچی: شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی بہ اشتراکِ مقتدرہ قومی زبان)، ۱۹۹۴ء، ص۵۸۔

۱۳۔ جان رچرڈسن و فرانسس جانسن (John Richardson & Francis Johnson) Dictionary Persian, Arabic and English (لاہور: سنگِ میل، ۱۹۹۸ء) (عکسی طباعت، ایڈیشن ۱۸۲۹ء)۔

۱۴۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۲ (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۷۹ء)۔

۱۵۔ فرہنگِ عامرہ، محولۂ بالا۔

۱۶۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۱۰ (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۹۰ء)؛ نیز فرہنگِ عامرہ، محولۂ بالا۔

۱۷۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۱۲ (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۹۴ء)؛ نیز وارث سرہندی، کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ (جلد دوم)، (اسلام آباد: مقتدرۂ قومی زبان، ۱۹۸۶ء)، ص۲۴۱۔

۱۸۔ قاموس الاغلاط (مولفہ سید مختار احمد و مولانا ذہین)، (حیدرآباد (دکن): مکتبۂ ابراہیمیہ، سنہ ندارد)، ص۱۳۶۔

۱۹۔ A New Hindustani-Englsih Dictionary، مرتبہ (ایس ڈبلیو فیلن (S.W.Fallon)، (دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۰۴ء)، (اشاعتِ اول: ۱۸۷۹ء)۔

۲۰۔ وارث سرہندی، کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ (جلد دوم)، محولۂ بالا، ص۲۴۱؛ نیز قاموس الاغلاط، محولۂ بالا، ص۱۳۶۔

۲۱۔ مصباح اللغات (مرتبہ عبدالحفیظ بلیاوی)، (لاہور: المصباح، سنہ ندارد)۔

۲۲۔ قاموس الاغلاط، محولۂ بالا، ص۱۳۶۔

۲۳۔ قاموس القرآن (مرتبہ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی)، (کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۴ء)) طبعِ نو)

۲۴۔ مصباح اللغات، محولۂ بالا۔

۲۵۔ قرآنِ مجید میں یہ الفاظ آئے ہیں اور ان کا یہ ترجمہ مفتی محمد شفیع صاحب نے کیا ہے، دیکھیے: معارف القرآن، جلد ۴، (کراچی: ادارۃ المعارف، ۲۰۰۲ء)، ص۶۰ (طبعِ جدید)۔

۲۶۔ ایضاً۔

۲۷۔ فرہنگِ آصفیہ مبنی بر چہار جلد (مرتبہ سید احمد دہلوی)، (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۷ء)۔

۲۸۔ میرامن، باغ و بہار (مرتبہ رشید حسن خاں)، (دہلی: انجمن ترقیِ اردو، ۲۰۰۹ء)، ص۱۷۔

۲۹۔ کیفیہ (لاہور: معین الادب، ۱۹۵۰ء) ص۶۷ (طبعِ دوم)۔

ریٹائرڈ پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ،
کراچی-75270 (پاکستان)
E-mail: drraufparekh@yahoo.com

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین ومقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرورالہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-

اردو زبان اور اس کا رسمِ خط

ڈاکٹر رفعت سلطان

’’اردو زبان سامعہ نواز اور اس کا خط باصرہ افروز ہے‘‘، رسمِ خط کی کائنات سے اردو نے اپنے لیے ’خطِ نستعلیق‘ کا انتخاب کیا ہے۔ زبانوں کی دنیا میں اردو نہایت شیریں، مہذب، باوقار اور مقبول خاص و عام زبان ہے، اردو محض ایک زبان ہی نہیں بلکہ شاندار تہذیبی رویے اور اعلا ثقافتی اقدار کی مظہر ہے، ہماری مہتم بالشان تاریخ تہذیب وثقافت، شعروادب، فکروفلسفہ غرض علوم ومعارف کی وسیع تر کائنات اسی زبان اور اس کے رسمِ خط میں محفوظ ہے، اس امانت کی حفاظت تمام محبانِ اردو کی ذمے داری ہے۔

زبانیں اپنے رسمِ خط کے ساتھ پہچانی جاتی ہیں، کسی زبان کا وجود اس کے رسمِ خط کے بغیر نامکمل رہتا ہے۔ رسمِ خط سے مزین قدیم علمی ورثہ، شاندار ماضی اور روشن روایات اس زبان کا بیش قیمت حصّہ ہوتے ہیں۔ دورِ حاضر میں اردو زبان کا اس کے رسمِ خط کے ساتھ تعلیمی رجحان، تدریسی نظام الحمدللہ دینی مدارس میں بحسن وخوبی جاری وساری بلکہ روبہ ترقی ہے، لیکن محبانِ اُردو کی اکثریت جو اپنی گفتگو، ادبی نگارشات، تہذیبی وثقافتی محفلوں میں اردو بولتی، سمجھتی اور اس سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اس کے رسمِ خط کے سلسلے میں بے اعتنائی، بے حسی اور لاپروائی کا شکار ہے، اگر اردو کے نام لیوا محبانِ اردو، اپنی زبان کی حق تلفی کرنے والے بن جائیں گے تو کسی کا کیا نقصان ہے، نقصان اس شیریں زبان کا ہے جس کے تمام سرمایے کا تحفظ رسمِ خط کے بغیر ناممکن ہے۔ آج اسی طبقۂ اشراف سے اردو زبان اپنے رسمِ خط کے ساتھ اپنے مکمل بقا وتحفظ کے لیے احتجاج کررہی ہے اور بآواز بلند مخاطب ہے۔

اے محبّانِ اُردو! کیا آپ واقعی مجھ سے محبت کرتے ہیں، کیا زمانہ ماضی کی طرح آج بھی میرے لیے صدق ووفا، محبت واخلاص کے پیکر ہیں؟ اگر آپ کا جواب اثبات (ہاں) میں ہے تو میرے درس و تدریس، تعلیم وتربیت کی فکر آپ کی اوّلین ذمے داری ہے، آپ میرے ساتھ میرے رسمِ خط سے بھی محبت کیجیے، اُس سے قطع تعلق میرے مکمل وجود، علمی وادبی روایات، تہذیبی وثقافتی اقدار کے منافی ہے، آپ کے اِس طرزِ عمل سے ایسا ہولناک نقصان ہوجائے گا جس کا اندازہ آپ کو نہیں ہے!! اگر آپ میری تعلیم وتدریس کے نظام کی بہتری کے ساتھ میرے رسمِ خط (نستعلیق) سے رشتہ نبھائیں گے تب ہی آپ اور آپ کی آنے والی نسلیں اپنے علمی، ادبی، تہذیبی، تاریخی، فکری سرمایے سے واقف رہ سکیں گی اور اس کی حفاظت کرسکیں گی۔

ذرا توجہ دیجیے! آپ کے ارد گرد عظیم الشان کتب خانے ہیں اُن کی الماریوں میں سجی ہوئی قیمتی کتابیں ہیں۔ یہ آپ کی خاموش استانیاں ہیں جو زبانِ حال سے کہہ رہی ہیں کہ ان میں آپ کا شاندار ماضی ہے، مستحکم علمی روایات ہیں۔ یہ کتابیں دنیا کے تمام علوم کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ یہ بیش قیمت کتب سوالیہ نظروں سے آپ کی طرف دیکھ رہی ہیں اور آپ سے استفسار کر رہی ہیں کہ آپ نے اپنی دلکش، ساحرانہ زبان کے ساتھ ایسا غیر منصفانہ رویہ کیوں اختیار کرلیا ہے؟ الفاظ کے حسن اور شیرینی کو قبول کرلیا...، (اردو) زبان کی تعلیم، درس وتدریس پر توجہ دینا ترک کردیا، رسمِ خط کو نظرانداز کرکے اپنی بے حسی کو سب پر آشکار کردیا۔ آخر آپ میرے رسمِ خط کے لیے سنجیدہ کیوں نہیں ہے؟ رسمِ خط سے مزین علمی سرمایے کی حفاظت کی ذمے داری کس کی ہے؟ آپ کسی سرکاری محکمے سے وابستہ ہیں یا نجی مصروفیات سے تعلق رکھتے ہیں... یاد رکھیے میں آپ کے آباو اجداد کے گھر کی ملکہ، آپ کی مادری زبان ہوں۔ آپ کی پہلی پسند بھی ہوں، میرے توسط سے آپ عیش کررہے ہیں اور مجھے کیش بھی کررہے ہیں؟ آپ نے اردو زبان دانی کے سلسلے میں اپنی عزیز بیٹوں بیٹیوں کے لیے کوئی لائحۂ عمل تیار کیا؟ اس سلسلے میں آپ پر ہی اپنی آئندہ نسلوں کی ذمے داری ہے؟ زبان و ادب کی مکمل ترویج کے لیے منعقد ادبی نشستوں، شعروشاعری کی محفلوں، سمینار، تقاریر، محفلِ رقص و سرود، شوروشغب، قوالی، اسٹیج پرفارمینس، بیت بازی، ڈراموں کی پیشکش سے اپنے اپنے ذوق کے مطابق لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مجھے آپ کی ان مصروفیات پر اعتماد ہے، کیوں یہ بھی میرے لیے سودمند ہیں، آپ نے غور کیا کہ آپ کے ارد گرد ان تمام کاموں کو کس رسمِ خط میں انجام دیا جارہا ہے؟ میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ اردو رسمِ خط میں لکھنے پڑھنے کے لیے اب تک آپ نے کتنے باذوق افراد تیار کیے ہیں، رسمِ خط کے تحفظ کے لیے اب تک کتنے اقدامات انجام دے چکے ہیں، اس سلسلے میں کیا سوچا ہے، کتنا خرچ کیا ہے؟ اور عمرِ عزیز کا کتنا وقت اس کام میں گزارا ہے؟ آپ میرے محسن ہیں، مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، میں بھی آپ کے بغیر نامکمل ہوں۔ مجھے ہمیشہ آپ کا ساتھ چاہیے، آپ جیسے محبت کرنے والے مخلصین کی ضرورت ہے، آپ میرے شیریں الفاظ کو پسند کیجیے، میرے باوقار لہجے سے دوستی رکھیے، آپ مجھے شب وروز اپنے ساتھ رکھتے ہیں، کیوں کہ آپ کو مجھ پر فخر بھی ہے ناز بھی، لیکن یہ بھی یاد رکھیے کہ میرے خوبصورت خوش گوار الفاظ اور دل نشیں باوقار لہجہ میرا جسم ہے، میری روح میرا ’رسمِ خط‘ ہے۔ میں اپنے رسمِ خط کے ساتھ سر اُٹھا کر زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ میرے شاندار ملّی سرمایے اور علمی روایات کے تحفظ کے لیے مستقل مزاجی کے ساتھ فکرمند رہنا آپ کا اوّلین فرض ہے۔

کیا آپ سے کسی نے کہہ دیا کہ میرے رسمِ خط کا تحریری نظام پیچیدہ اور مشکل ہے؟ آپ کی اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے، آج میں خود ہی اپنے رسمِ خط کے بارے میں آپ کو بتاؤں گی تاکہ آپ میری دلکشی کے راز سے مکمل آشنا ہوسکیں، میرے چہرے کے حسین خدوخال کو دیکھ سکیں، میری تخلیق کے حسن و جمال سے واقف ہوسکیں، مجھ سے واقفیت رکھنے والے جو لوگ مجھے کسی دوسرے رسمِ خط میں پیش کرتے ہیں وہ بڑی عاقبت نااندیشی کا مظاہرہ کررہے ہیں، حالاں کہ وہ میرے محسنین میں شامل ہیں، میں ان کی مادری زبان اردو ہوں، لیکن وہ میرے حقوق کو ادا کرنے میں کوتاہی برت رہے ہیں، آپ میری باتوں کو توجہ سے سنیے، غور سے پڑھیے اور یاد رکھیے اور دوسروں کو آگاہ کیجیے۔

میں خالص ہندستانی زبان ہوں۔ ہندی میری حقیقی بہن جو آپ کی قومی زبان ہے، لیکن میں آپ کی مادری زبان ہوں! میرا نام اردو ہے! لفظ ’اردو‘ فارسی کا اور لفظ ہندی عربی زبان کا لفظ ہے۔ اردو کے معنی ’لشکر‘ یا ’فوج‘ کے ہیں۔ میرا جنم اسی سرزمینِ ہند پر ہوا ہے خطۂ پاکستان میں نہیں!! اس لیے مجھے اپنے وطن ہندستان سے بے پناہ لگاؤ ہے۔ فوجیوں، تاجروں، ادیبوں، شاعروں، صوفی سنتوں نے مل کر میری پرورش کی، مجھے سجایا سنوارا، رفتہ رفتہ میں ایک شیریں، مہذب، باوقار اور مقبول زبان بن گئی۔ میں نے اپنے لیے ’نستعلیق‘ رسمِ خط کو پسند کیا۔ اس خط کی مکمل تاریخ ہے، یہ عربی خط نسخ اور فارسی خط تعلیق کو ملا کر بنایا گیا۔ کثرتِ استعمال سے نستعلیق کے نام سے مشہور ہوگیا۔ ماہرینِ رسمِ خط کے ذریعے وقتاً فوقتاً ضرورت کے مطابق میرے اندر اصلاح و تبدیلی کا عمل جاری رہا، اب آپ ’نستعلیق ہندی‘ کے نام سے مجھے یاد رکھیے۔ میرے رسمِ خط میں علمی، ادبی، مذہبی، تہذیبی، ثقافتی، تاریخی یادگاروں کا خزانہ عامرہ پوشیدہ ہے، میں علوم ومعارف کی اس وسیع تر کائنات کے ساتھ آپ سے مخاطب ہوں۔

میں بہت دولت مند، سخی ہونے کے ساتھ منکسر المزاج بھی ہوں۔ زمانۂ پیدائش سے ہی سب کا ساتھ سب کا وکاس میری فطرت میں شامل رہا ہے۔ میں نے دنیا کی مالدار زبانوں سے الفاظ کو گود لیا اور اپنا بنالیا، سرزمینِ ہند کی رائج الوقت زبانوں سے میری گہری دوستی رہی، انھوں نے مجھے تحفتاً اپنے الفاظ دیے ہیں، میں نے ان کے تحفوں کو بہ سروچشم قبول کیا، میرے لسانی خزانے کے دروازے سب کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ میری ہم وطن زبانوں میں جس نے چاہا مجھ سے الفاظ لے کر اپنے آپ کو مالامال کیا، اب میرے رسمِ خط اور زبان کے دامن میں شاندار ماضی کی روشن روایات ہیرے جواہرات کی طرح پیوست ہیں، بہت سی زبانوں کے الفاظ میرے وجود کا حصّہ ہیں، میں ان سے دستبردار ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

زبانیں اپنے رسمِ خط کے ساتھ پہچانی جاتی ہیں، کسی زبان کا وجود اس کے رسمِ خط کے بغیر نامکمل رہتا ہے۔ رسمِ خط سے مزین قدیم علمی ورثہ، شاندار ماضی اور روشن روایات اس زبان کا بیش قیمت حصّہ ہوتے ہیں۔ دورِ حاضر میں اردو زبان کا اس کے رسمِ خط کے ساتھ تعلیمی رجحان، تدریسی نظام الحمدللہ دینی مدارس میں بحسن و خوبی جاری و ساری بلکہ روبہ ترقی ہے، لیکن محبانِ اُردو کی اکثریت جو اپنی گفتگو، ادبی نگارشات، تہذیبی و ثقافتی محفلوں میں اردو بولتی، سمجھتی اور اس سے لطف اندوز ہوتی ہے۔

اردو دُنیا

پریم چند آرکائیوز اینڈ لٹریری سنٹر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں نواں منشی پریم چند یادگاری خطبہ

نئی دہلی (12 فروری)۔ پریم چند آرکائیوز اینڈ لٹریری سنٹر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے 10 فروری 2026 کو نواں منشی پریم چند یادگاری خطبہ منعقد کیا۔ پروفیسر صغیر افراہیم (سابق صدر شعبۂ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے خطبہ پیش کیا اور پروگرام کی صدارت پروفیسر مظہر آصف (شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے کی۔ پروفیسر مظہر آصف نے اپنی صدارتی گفتگو میں ادب کے شعبے میں پریم چند کی خدمات اور موجودہ زمانے میں ان کے فکشن اور ان کی تحریروں کی معنویت اجاگر کی۔ انھوں نے کہا کہ پریم چند اساتذہ، طلبہ اور اسکالروں کے لیے ان کی تحقیق اور تصنیف و تالیف سے متعلق کاموں کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے سامعین کو پریم چند اور کبیر دونوں کی گراں قدر خدمات سے متعلق بتایا اور انھیں ہندستانی ادب کا بیش قیمت اور گراں مایہ ورثہ قرار دیا۔ پروفیسر آصف نے پریم چند آرکائیوز کی سرگرمی کو جاری رکھنے کے لیے ہر ممکن مدد کا بھی یقین دلایا۔ اردو کے ممتاز ادیب، ناقد اور فکشن نگار پروفیسر صغیر افراہیم نے پریم چند کو ایک نقیب کی حیثیت سے یاد کیا جنھوں نے ہندستان کی دیہی زندگی کے سنگین حقائق میں پیوست اپنی تخلیقات اور تحریروں سے اردو اور ہندی ادب میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ (انقلاب۔ دہلی)

شعبۂ اُردو چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی کی تین طالبات نے یو جی سی نیٹ کوالیفائی کیا

میرٹھ (6 فروری)۔ یو جی سی نے اپنے مقابلہ جاتی امتحان نیٹ (این ای ٹی) اور جے آر ایف کے نتائج کا اعلان کر دیا ہے جس میں شعبۂ اردو چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی کی تین طالبات سیّدہ مریم الٰہی، فرحت اختر اور نزہت اختر نے اردو مضمون میں کامیابی حاصل کر کے اپنا اور شعبے کا نام روشن کیا ہے۔ قابلِ ذکر ہے کہ فرحت اختر نے چوتھی مرتبہ جب کہ نزہت اختر نے تیسری مرتبہ نیٹ امتحان کوالیفائی کیا ہے۔

کامیاب طالبات کی اس کامیابی پر شعبۂ اردو کے اساتذہ اور اراکین نے انھیں مبارک باد اور نیک خواہشات پیش کیں۔ اس موقعے پر پروفیسر اسلم جمشید پوری نے طالبات کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی، بشرطیکہ وہ صحیح سمت میں کی جائے۔ انھوں نے طلبہ کو تلقین کی کہ وہ نصابی مطالعے کے ساتھ مقابلہ جاتی امتحانات کے لیے مستند کتابوں کا بھی مطالعہ کریں، کیوں کہ سچی لگن اور مسلسل محنت سے کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ شعبے کے استاد ڈاکٹر آصف علی نے کہا کہ موجودہ دور مقابلے کا دور ہے، جہاں معمولی سی لاپروائی بھی طالبِ علم کو پیچھے دھکیل سکتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ سماج، ملک اور قوم کی ترقی اعلا تعلیم یافتہ اور باصلاحیت افراد کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ڈاکٹر شاداب علیم نے طالبات کی کامیابی کو اردو اساتذہ کے لیے بھی باعثِ فخر قرار دیتے ہوئے کہا کہ آج طالبات ہر میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کر رہی ہیں اور اپنے اداروں کا نام روشن کر رہی ہیں۔ ڈاکٹر الکا وششٹھ نے کامیاب طالبات کو دلی مبارک باد پیش کی اور نیٹ میں اس بار کامیابی سے محروم رہ جانے والے طلبہ کو حوصلہ دیتے ہوئے مزید محنت کی تلقین کی۔ ڈاکٹر ارشاد سیانوی نے کہا کہ اردو میں تدریسی کیریر کے لیے نیٹ امتحان اہم ہے، کیوں کہ موجودہ دور مکمل طور پر مقابلہ جاتی نظام پر مبنی ہے۔ اس موقعے پر سعید احمد سہارنپوری، محمد شمشاد، محمد شاہ ویز عالم سمیت بڑی تعداد میں طلبہ و طالبات موجود تھے۔

(انقلاب۔ دہلی)

شمع اردو اسکول میں یومِ اردو شان و شوکت سے منایا گیا

سولاپور (14 فروری)۔ مجرے واڑی میں واقع شمع اردو اسکول میں تمثیلی مشاعرے کے ذریعے بزرگ شعرائے کرام کی یاد تازہ کرتے ہوئے طلبہ نے ان کی مختلف نظمیں اور غزلیں پیش کر کے دادِ تحسین حاصل کی۔ پروگرام کا افتتاح مہمانوں کے ہاتھوں شمع روشن کر کے کیا گیا۔ تمثیلی مشاعرے [علامتی کوی سمین] میں شعرا کے کپڑے اور لباس پہننا فیشن شو نہیں بلکہ اس کے ذریعے اردو ادبی ورثے کو محفوظ رکھنے کا ایک موقع ملتا ہے اور خاص طور پر مقامی شعرا کو۔ اس کے ذریعے ان کی یاد اور ان کے کلام کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا جاتا ہے، اس لیے ایسے پروگرام وقتاً فوقتاً ہونے چاہئیں۔ ایسا خیال شمع اردو اسکول میں یومِ اردو کی مناسبت سے منعقدہ 'تمثیلی مشاعرے' میں اردو کے سینئر ادیب ڈاکٹر رشید شیخ نے کیا۔ پروگرام کی صدارت شمع کے صدر ایوب احمد نے کی جب کہ بی ایچ کرجلگر مہمانِ خصوصی کے طور پر موجود تھے۔ ابتدا میں ابرار احمد نے اسکول کی روداد پیش کر کے یومِ اردو کی اہمیت بیان کی۔ ہیڈ مسٹریس یاسمین بیجاپورے کی زیرِ نگرانی منعقدہ اس تمثیلی مشاعرے کے لیے شاعرہ شاہین شکیل صدف نے خصوصی محنت کر کے بہترین نظامت کی۔ تمثیلی مشاعرے میں مقامی شاعر مرحوم قدیر سوالاپوری اور مرحوم نسیم منّان کی شاعری شیخ شرجیل اور شیخ ریحان نے پیش کی جب کہ شاعرہ صبا بلرام پوری پٹیل زارا، شبینہ ادیب شیخ آسیہ، ہمانشی بابرا شیخ رخسار، پروین شاکر شیخ زینب، شائستہ ثنا صابونگر عظمی، لتا حیا شیبا پٹیل، شاعر عمران پرتاپ گڑھی قاسم پٹیل، بشیر بدر نداف فیضان اور راحت اندوری پیش کر کے دادِ تحسین حاصل کی گئی۔

بچوں کا ادب سادہ اور بامعنی ہونا چاہیے: پروفیسر عرشیہ جبیں

حیدرآباد (30 جنوری)۔ بچوں کا ادب سادہ اور بامعنی ہونا چاہیے، جس سے بچوں میں پڑھنے کا شوق اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو فروغ دیا جاسکے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر عرشیہ جبیں (شعبۂ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد) نے کیا۔ وہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد میں منعقدہ دو روزہ قومی سمینار بعنوان 'اکیسویں صدی میں بچوں کا ادب: مسائل و امکانات' کے اختتامی اجلاس سے خطاب کر رہی تھیں۔ یہ سمینار مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبۂ اردو اور مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم اور ثقافتی سرگرمی مرکز نے مشترکہ طور پر منعقد کیا تھا۔ اس سمینار کے اختتامی اجلاس کی صدارت پروفیسر عرشیہ جبیں اور پروفیسر عزیز بانو (سابق ڈین اسکول برائے السنہ لسانیات و ہندستانیات) نے کی۔ پروفیسر عرشیہ جبیں نے مزید کہا کہ بچوں کا ادب ایسا ہونا چاہیے جس سے ان میں پڑھنے، سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں پروان چڑھ سکیں۔ پروفیسر عزیز بانو نے اپنے خطاب میں مقالہ نگاروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بعض مقامات پر اصلاحی نکات کی طرف بھی توجہ دلائی۔

اس اجلاس میں ڈاکٹر کہکشاں لطیف (شعبۂ ترجمہ، مانو)، ڈاکٹر فیاض عالم (ستیہ وتی کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی)، محترمہ حنا گلاب (شعبۂ اردو، مانو)، صفیہ ... (ریسرچ اسکالر، اے ایم یو، علی گڑھ)، محمد شبلی آزاد (ریسرچ اسکالر، مانو)، محمد سرفراز (ریسرچ اسکالر، مانو)، شہناز خاتون (ریسرچ اسکالر، مانو) اور غلام ربانی (ریسرچ اسکالر، مانو) نے مقالات پیش کیے جب کہ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر محمد جابر حمزہ (کنوینر سمینار اور استاد شعبۂ اردو، مانو) نے کی۔ سمینار کے اختتام پر پروفیسر فیروز عالم (کوآرڈینیٹر سمینار اور استاد شعبۂ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی) نے جامع رپورٹ پیش کی، جس میں دونوں دنوں کے علمی و فکری مباحث کا خلاصہ شامل تھا، جب کہ اظہارِ تشکر پروفیسر مسرت جہاں (ڈائرکٹر سمینار و صدر شعبۂ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی) نے پیش کرتے ہوئے مہمانانِ صدر، مقالہ نگاران، سامعین اور منتظمین کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کیا۔ اس سے قبل سمینار کا چوتھا اجلاس پروفیسر سیّد محمود کاظمی (شعبۂ ترجمہ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی) کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں ڈاکٹر گل رعنا (شعبۂ اردو، تلنگانہ یونیورسٹی، نظام آباد)، ڈاکٹر محمد اختر (سی ٹی ای، بھوپال)، ڈاکٹر فیاض احمد (پرتھم بکس، دہلی)، ڈاکٹر شمشاد بیگم (شعبۂ تعلیم و تربیت مانو)، جواد الاسلام (ریسرچ اسکالر، مانو) اور عبدالعظیم (ریسرچ اسکالر، مانو) نے اپنے مقالات پیش کیے، جب کہ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر محمد نہال (استاد سی ڈی او ای، مانو) نے کی۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

غالب کا تشخص مشکل پسندی ہے: قاضی جمال حسین

نئی دہلی (یکم فروری)۔ غالب اکیڈمی، نئی دہلی میں یک روزہ سمینار 'ماضی قریب میں غالب کے ناقدین و محققین' کے موضوع پر منعقد کیا گیا، جس میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر جی آر کنول نے کہا کہ غالب پر اردو اور فارسی کے بہت سے ناقدین اور محققین نے بہت لکھا ہے۔ غالب کا کلام ایسا ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر کام آتا ہے۔ اس موقعے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے پروفیسر قاضی جمال حسین نے کہا کہ ایک بہت اہم کتاب 'غالب معنی آفرینی جدلیاتی وضع، شونیتا اور شعریات' گوپی چند نارنگ کی ہے، جس میں بیدل پر بھی ایک باب ہے۔ بیدل فارسی کا مشکل شاعر تھا۔ غالب نے بھی طرزِ بیدل اختیار کیا، لیکن مولانا فضلِ حق خیرآبادی کے مشورے پر آسان شاعری کرنے لگے۔ اس زمانے میں زبان کی شاعری ہوتی تھی، لیکن غالب کا اصل جوہر ان کی مشکل پسندی میں ہے۔ غالب کا شعر پہلے دماغ میں گھومتا ہے پھر دل میں اتر جاتا ہے۔ پروفیسر شریف حسین قاسمی نے کہا کہ بیدل ہندستان کے فارسی شعرا میں سب سے اہم نام ہے۔ اسے ایران، افغانستان اور ازبکستان میں بھی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ علامہ شبلی نے اپنی کتاب 'شعرالعجم' میں غالب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ پروفیسر معظم الدین نے قاضی عبدالستار کا ناول غالب پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ قاضی عبدالستار بنیادی طور پر ناول نگار تھے، انھوں نے کئی تاریخی اور سوانحی ناول تحریر کیے۔ غالب کے اشعار اور ان کے لطائف کی بنیاد پر ایک تخلیق پیش کی ہے۔ ڈاکٹر ابرار رحمانی نے امتیاز علی عرشی پر مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ دیوانِ غالب نسخۂ عرشی اور دیوانِ مومن کی ترتیب کی وجہ سے امتیاز علی عرشی ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔ شاہد حبیب نے مالک رام بحیثیت غالب شناس، نفیس بانو نے نثار احمد فاروقی کا تحقیقی شعور اور تلاشِ غالب، ڈاکٹر حنا آفریں نے میر اور غالب پر مقالے پیش کیے۔ ڈاکٹر شاداب تبسم نے خلیق انجم اور غالب کے خطوط پر مقالہ پڑھتے ہوئے کہا کہ خلیق انجم نے خطوطِ غالب کو چار جلدوں میں یکجا کیا اور ایک جلد میں جامع اور مستند حواشی قلم بند کر کے بہت عظیم کام کیا ہے۔ پروفیسر علیم اشرف نے پروفیسر نذیر احمد کی غالب شناسی پر مقالہ پیش کیا۔ سمینار میں نظامت کے فرائض ڈاکٹر یامین انصاری نے بحسن و خوبی ادا کیے۔ ڈاکٹر عقیل احمد نے اس موقعے پر حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ماضی قریب کے محققین اور ناقدین نے غالب پر خاص توجہ دی ہے۔ ان کی تصانیف نئی نسل کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ سمینار میں پڑھے گئے مقالے مستقبل میں ریسرچ کرنے والے طلبہ کے لیے کارآمد ثابت ہوں گے۔

سرکاری اُردو ہائر پرائمری اسکولوں میں
’ٹیلنٹ ڈے‘ کا انعقاد

کولار(15فروری)۔ پھول شاہ محلّہ کولار کے سرکاری اردو ہائر پرائمری اسکولوں میں طلبہ کی صلاحیتوں کو ابھارنے اور انھیں موقع فراہم کرنے کے مقصد سے ’ٹیلنٹ ڈے‘ کے نام سے پروگرام منعقد ہوا جس میں طلبہ، اساتذہ، ایس ڈی ایم سی صدر اور اراکین کے علاوہ والدین اور دیگر نمائندوں نے شرکت کی اور طلبہ کی تعلیمی صلاحیت اور ثقافتی قابلیت کو سراہا۔ بچوں نے قرأت، حمد، نعت کے علاوہ دینیات سے متعلق تقاریر کیں اور ثقافتی پروگرام بھی پیش کیے اور یہ ثابت کردیا کہ نجی اسکولوں کے طلبہ سے وہ کچھ کم نہیں۔ اس موقعے پر وارڈ کے سابق کونسلر خواجہ معین الدین نے کہا کہ ہر ایک بچے میں کوئی نہ کوئی صلاحیت اور قابلیت ضرور ہوتی ہے، انھیں حوصلہ افزائی اور موقع فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس طرح کے پروگراموں کے انعقاد سے بچوں میں جوش اور جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے اندر پوشیدہ صلاحیت کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مقررین نے کہا کہ سرکاری اردو اسکول کے بچوں نے ثابت کردیا کہ پرائیویٹ اسکول کے بچوں سے وہ کم نہیں ہیں۔ اس پروگرام میں ایس ڈی ایم سی صدر اور اراکین بھی شریک تھے۔ (سالار۔ بنگلور)

سرینواس پور سرکاری اردو-انگلش اسکول میں سالانہ جلسہ

سرینواس پور(15فروری)۔ شہر کے ڈاکٹر ذاکر حسین محلے میں واقع سرکاری اردو-انگلش میڈیم ہائر پرائمری اسکول کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسے کا اہتمام اے. پی. جے. عبدالکلام ویلفیئر ٹرسٹ کی جانب سے کیا گیا۔ جلسے کا افتتاح معزز مہمانوں نے پودے کو پانی دے کر کیا۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر محمد صادق نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے گذشتہ تعلیمی سال کے امتحانی نتائج میں نمایاں بہتری، مختلف مقابلوں میں طلبہ کی کامیابیوں اور نصابی سرگرمیوں میں ان کی شاندار کارکردگی پر روشنی ڈالی۔ مہمانِ خصوصی سرکل انسپکٹر شنکر اچاریہ نے طلبہ کو موبائل کے بے جا استعمال سے دور رہنے اور تعلیم پر بھرپور توجہ دینے کی تلقین کی۔ اے پی جے عبدالکلام ویلفیئر ٹرسٹ کے صدر عبدالمجید نے اپنے خطاب میں کہا کہ تعلیم بچوں کی شخصیت سازی، مثبت سوچ اور اخلاقی اقدار کی نشوونما کا ذریعہ ہے۔ اساتذہ کی ذمے داری صرف نصاب پڑھانے تک محدود نہیں بلکہ طلبہ کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی بھی ان کے فرائض میں شامل ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہر بچے کی صلاحیت کو پہچان کر اسے آگے بڑھانا اساتذہ کا اہم فریضہ ہے کیوں کہ آج کے بچے کل کے باوقار شہری ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اسکول میں آنے والے ہر طالبِ علم کو معیاری تعلیم فراہم کرنا اساتذہ کی بنیادی ذمے داری ہے۔ وقت کی پابندی اور نظم وضبط کو اپنانا بھی ضروری ہے۔

ٹرسٹ کے سکریٹری ایچ ایس اکرم پاشا نے طلبہ کو بڑے خواب دیکھنے اور محنت و نظم وضبط کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ تعلیم ہی سماجی ترقی کی بنیاد ہے۔ خازن رضوان پاشا نے کہا کہ حکومت نے اسکول کو اعلا درجے تک ترقی دینے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے لیے ضروری فنڈ بھی جاری ہوچکا ہے۔ اس سلسلے میں سابق رکنِ اسمبلی کے. آر. رمیش کمار اور ریاستی وزیر بی. زیڈ. ضمیر احمد خاں کے تعاون کو بھی سراہا گیا۔ تقریب کے دوران طلبہ نے کنڑ، اردو اور انگریزی زبانوں میں رنگارنگ ثقافتی پروگرام پیش کیے۔ اس موقعے پر ٹرسٹ کے نائب صدر الیاس پاشا، امتیاز پاشا، اللہ بخش، ایس ڈی ایم سی کے صدر ہدایت اللہ خاں، اساتذہ، والدین اور طلبہ موجود تھے۔
(سالار۔ بنگلور)

بین المذاہب ہم آہنگی کے عنوان پر یک روزہ سمینار کا انعقاد

نئی دہلی (پریس ریلیز، 17فروری)۔ انڈیا انٹرنیشنل سینٹر، نئی دہلی میں انٹر فیتھ ہارمونی فاؤنڈیشن آف انڈیا اور قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے باہمی اشتراک سے بین المذاہب ہم آہنگی کے عنوان پر یک روزہ سمینار کا انعقاد کیا گیا۔ اس سمینار میں مختلف موضوعات پر تین سیشن منعقد ہوئے۔ افتتاحی سیشن بعنوان ’اردو: بین المذاہب ہم آہنگی اور مشترکہ ثقافتی ورثے کی زبان‘ کی صدارت پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی نے کی اور جناب وجے گویل (وائس چیئرپرسن، گاندھی اسمرتی اور درشن سمیتی، حکومت ہند) بحیثیت مہمانِ خصوصی شریک ہوئے۔ جب کہ مقررین میں قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال اور انٹر فیتھ ہارمونی فاؤنڈیشن آف انڈیا کے بانی وصدر ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد کے علاوہ جناب فیروز بخت احمد (سابق چانسلر، مانو، حیدرآباد)، جناب خورشید ربانی ایڈیٹر (منصف ٹی وی) شامل رہے۔ اس سیشن کی نظامت جناب جاوید رحمانی نے کی اور کلماتِ تشکر جناب فوزان احمد خواجہ نے ادا کیے۔

ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے سمینار کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور کہا کہ ہندستان کی زبانوں میں ایک خاص تہذیب شامل ہے۔ اردو ایک مشترکہ وراثت کی زبان ہے جو بین المذاہب ہم آہنگی اور حب الوطنی کے جذبات کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کررہی ہے۔ دنیا میں اگر کوئی ملک ہے جس میں تمام مذاہب کو آزادی حاصل ہے تو وہ ہندستان ہے۔ ڈاکٹر شمس اقبال (ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان) نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس موضوع کا تعلق جتنا زبان وادب سے ہے اتنا ہی سماجی ڈسکورس سے بھی ہے۔ اردو نے ابتدا سے ہی ہندستانیت اور اس کی تہذیبی شناخت کو مرکز میں رکھا ہے۔ مہمانِ خصوصی جناب وجے گویل نے کہا کہ مذہب کی بنیاد تعلیم اور اخلاقیات پر ہے، اپنے بڑوں کی اچھی باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی اتباع کرنی چاہیے۔ مذہب ہمیں سچائی اور عدم تشدد کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے نام پر لڑنا درست نہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو خالص ہندوستانی زبان ہے جو یہیں پیدا ہوئی، کوئی بھی زبان کسی خاص طبقے کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ زبان کا تعلق سب کے ساتھ یکساں ہوتا ہے۔ ہندستان ایسا ملک ہے جہاں تمام زبانیں پنپ سکتی ہیں اور تمام مذاہب اور تہذیب کو فروغ حاصل ہوسکتا ہے۔

اپنی صدارتی تقریر میں پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی نے کہا اردو زبان لنگوا فرینکا ہونے کی وجہ سے ہمیشہ سے مشترکہ تہذیب وثقافت کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتی رہی ہے۔ فلم انڈسٹری اور صوفیا کی خانقاہیں بھی اس زبان کے اثرات سے معمور رہی ہیں۔ پہلے مقرر جناب فیروز بخت احمد نے کہا کہ اردو مذہب کی نہیں وطن کی زبان ہے۔ یہ زبان نہیں جنون ہے، یہ مشترکہ تہذیب کی زبان ہے اس کے مصنّفین بھی الگ الگ مذاہب سے متعلق ہیں۔ دوسرے مقرر جناب خورشید ربانی نے کہا کہ مشترکہ تہذیب کو فروغ دیتے ہوئے ملک کے حالات کو بہتر بنانے میں اردو ٹی وی جرنلزم نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ سمینار کے دوسرے سیشن میں ’میڈیا اور عوامی مباحثے میں بین المذاہب اخلاقیات‘ کے موضوع پر گفتگو کی گئی، جس میں بحیثیت مہمان خصوصی جسٹس اقبال احمد انصاری (سابق چیف جسٹس پٹنہ ہائی کورٹ، پٹنہ) نے شرکت کی جبکہ مقررین میں ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد، ڈاکٹر دنیش دوبے، جناب ایم وودود ساجد اور جناب محمد وجیہ الدین شامل تھے۔ اس کی نظامت ڈاکٹر آیوشی کیتکر نے کی۔

اس سیشن کے مہمانِ خصوصی جسٹس اقبال احمد انصاری نے کہا کہ ہم بنیادی طور پر آدمی ہیں جب کہ ہمیں آدمی سے زیادہ انسان بننے کی ضرورت ہے جو وقت، حالات اور سماج کی بھلائی کے لیے سب سے بڑا تقاضا ہے۔ بین المذاہب ہم آہنگی کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ ہم ایک ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

رفتید ولے نہ از دلِ ما

کرشن کمار طور

نئی دہلی۔ اردو کے ممتاز شاعر وادیب کرشن کمار طور کا 11 فروری 2026 کو چنڈی گڑھ میں انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 93 برس تھی۔ وہ کچھ دنوں سے بیمار تھے اور یہاں چنڈی گڑھ میں اپنی بیٹی کے یہاں رہ کر علاج کرا رہے تھے۔ پس ماندگان میں ان کی اہلیہ، ایک بیٹا جو آسٹریلیا میں مقیم ہے اور ایک بیٹی ہیں۔ چنڈی گڑھ کے سیکٹر 25 میں واقع شمشان گھاٹ پر اُن کا انتم سنسکار کیا گیا۔ کئی شعری مجموعوں کے خالق کرشن کمار طور نے تقسیمِ ہند کے بعد ہندستان آکر ہماچل پردیش کے شہر دھرم شالہ میں رہائش اختیار کی تھی۔ یہیں سے انھوں نے ’سرسبز‘ نامی رسالے کو جاری کیا جو وہ آخری عمر تک شائع کرتے رہے۔ ملک و بیرونِ ملک مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ انھیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ، غالب ایوارڈ، مولانا حالی ایوارڈ سمیت کئی اعزازات وانعامات سے نوازا جاچکا تھا۔ ان کے انتقال پر اردو مشاورتی بورڈ کے کنویز اور معروف شاعر چندر بھان خیال نے انتہائی دکھ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ طور صاحب بے حد شریف، نیک دل اور انسان دوست شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک سچے عاشقِ اُردو تھے اور تمام عمر اردو زبان وادب کی خدمت کرتے رہے۔ انھوں نے کہا کہ طور پر صاحب جدید اردو غزل کے بڑے شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اظہارِ تعزیت کرنے والوں میں ادیب وشاعر ڈاکٹر زاہد ابرول (جدید فکر وفن کے ایڈیٹر)، ڈاکٹر حبیب سیفی، محمد ہارون اردو اکادمی دہلی، انصاری اطہر حسین، فلاح الدین فلاحی، محمد یوسف انصاری، محمد شریف ریاضی، ایڈووکیٹ عمران عظیم، عرفان راہی صید پوری، ایس ٹی رضا، ثناء اللہ اور واجد علی انصاری قابلِ ذکر ہیں۔

صادق رضوی

ممبئی۔ شاعرِ اہلِ بیت 80 سالہ سیّد صادق رضوی 9 فروری 2026 کو رحلت کر گئے۔ سیّد صادق حسین رضوی ممبئی ہی میں 23 جون 1946 کو فلم سے تعلق رکھنے والے ایک معزز خانوادے میں پیدا ہوئے تھے، اُن کے والد سیّد منظور حسین رضوی ممبئی کے دورِ قدیم کے ایک اسکول میں درس وتدریس کی خدمات پر مامور تھے۔ آرزو اسکول کے ممتاز شاعر و عالم محمود سروش (محمود حسن رضوی) ممبئی کے مشہور ’رضوی بلڈر‘ اختر حسین رضوی اور معروف فلم ڈائرکٹر یعقوب حسن رضوی (فلم بہاروں کی منزل)، صادق حسین رضوی کے برادرِ بزرگ ہیں جن میں سے اختر حسین رضوی ہی اب حیات ہیں۔ صادق رضوی اپنے برادرِ بزرگ محمود سروش سے والہانہ محبت وعقیدت رکھتے تھے اور وہ اپنے شعری کلام میں انھی سے مشورہ بھی کرتے تھے، اپنے بھائی سے محبت اور عقیدت کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے ’بزمِ سروش‘ کے نام سے ایک انجمن بھی بنا رکھی تھی، گاہے گاہے جس کی شعری نشستوں سے ان کے گھر میں ایک ادبی رونق رہتی تھی۔ صادق رضوی کا آبائی وطن کراری (الہ آباد) ہے مگر انھوں نے ممبئی ہی میں شعور کی آنکھیں کھولیں اور اسی شہر (کپاس واڑی، شیعہ قبرستان، اندھیری) میں آسودۂ خاک بھی ہوئے۔ صادق رضوی کے پس ماندگان میں بیوہ کے ساتھ ایک بیٹا ساجد رضوی اور بیٹی روحی رضوی ہیں۔ ان کی رثائی شاعری کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن کے نام اس طرح ہیں: سیر لالہ زار کی، آہ، خواب زاروں سے پرے اور بارگاہِ جبریل میں۔ آخری الذکر کتاب ’قصائدِ صادق‘ کا مجموعہ ہے۔

ادارہ ’ہماری زبان‘ مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **کلامِ اسلم**
(مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری کا اُردو و فارسی کلام)
ترتیب و تقدیم : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
سنہ اشاعت : 2025
ضخامت : 120 صفحات
قیمت : 200 روپے
ناشر : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، D1/16، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-110002

تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر
E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

دورِ حاضر میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی شناخت ماہرِ شبلیات کی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اعظم گڑھ کے مردم خیز قصبات و دیہات سے تعلق رکھنے والے مشہور و معروف ادبا و شعرا کی تخلیقات کو منظرِ عام پر لانے کا بیڑا بھی اٹھایا ہوا ہے۔اس سلسلے میں اعظم گڑھ کے مشہور خطے جیراجپور کے اہم قلم کار حافظ و مولانا اسلم جیراجپوری (1882-1955) کے اُردو و فارسی کلام کو انھوں نے 'کلامِ اسلم (مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری کا اُردو و فارسی کلام)' قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔مولانا اسلم جیراجپوری کا اصل میدان اسلامیات تھا لیکن انھوں نے تاریخ، تعلیم، اسلامی فنون، فلسفہ و تہذیب، صحافت، ترجمہ نگاری، اخلاقیات اور درس و تدریس کے میدان میں خاطر خواہ کارنامے انجام دیے۔ مولانا اسلم 1924 تا 1934 رسالہ 'جامعہ' کے مدیر رہے۔ان کی مشہور کتاب 'تاریخ الامت' ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلے انھوں نے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اور بعد میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اپنی تدریسی خدمات انجام دیں۔رسالہ 'جامعہ' سے وابستگی کے سبب ان کی ادارتی تحریروں اور دیگر مضامین سے قارئین عرصے تک مستفیض ہوتے رہے۔ مولانا اسلم کی ادبی و علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ماہنامہ 'جامعہ' نے 'مولانا اسلم' جیراج پوری نمبر شائع کیا تھا۔ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی نے مولانا کی ادبی و علمی جہتوں پر کتاب تحریر کی۔ڈاکٹر شاہد نوخیز نے بھی 'مولانا اسلم جیراجپوری: ایک ہمہ جہت شخصیت' نامی کتاب سپردِ قلم کی۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے زیرِ نظر کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں مولانا اسلم جیراجپوری کا اُردو کلام شامل ہے اور دوسرے حصے میں فارسی کلام۔ اُردو حصے کی ابتدا 'جواہرِ ملیہ' سے ہوتی ہے۔اس کے بعد ان کی اُردو غزلوں کو شامل کیا گیا ہے۔ بقول الیاس صاحب مولانا اسلم کی یہ نظمیں اور غزلیں رسالہ چمنستان (امرتسر)، پیامِ یار (لکھنؤ)، گلبنِ سخن (بھوپال) وغیرہ رسائل میں شائع ہوئیں۔ دوسرے حصے میں شامل مولانا اسلم کے فارسی کلام کے بارے میں الیاس صاحب لکھتے ہیں کہ ان کی نایاب نظمیں بھی شامل کی گئی ہیں۔ الیاس صاحب نے ان نظموں کی تلاش و جستجو میں خاصی تگ و دو اور محنت کی ہے۔

مولانا اسلم کے کلام کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی فکر میں اسلامی تعلیمات کا گہرا اثر رہا ہے۔ان کی نظموں کے عنوان 'مساوات پسندی، للّٰہیت، شمعِ ملت، جزیرۃ العرب، اسلامی صدا، نویدِ انقلاب، پردۂ نسواں، امام، لامرکزیت، بالِ جبریل وغیرہ اس بات کی جانب واضح اشارہ کرتے ہیں کہ انھوں نے تاعمر اسلامیات کو ہی اوڑھنا بچھونا بنایا، اس لیے ان کی فکر و فہم میں اسلامیات کی گہری چھاپ نمایاں نظر آتی ہے۔مولانا اسلم نے اپنی نظموں میں تاریخ کے نادر و نایاب اوراق کو قارئین کے سامنے الٹا پلٹا ہے۔اس لحاظ سے ان کی نظموں میں اسلامی تاریخ اور تلمیحات و تشبیہات کو خاص مقام حاصل ہے۔انھوں نے مجاہدینِ آزادی مولانا محمد علی اور شوکت علی کی رہائی کے موقعے پر 'جذبۂ اخلاص' نظم تخلیق کی۔اس نظم میں انھوں نے مسلم قیادت اور آبروے ملت کے تعلق سے اپنی فکر کو تاریخِ اسلامی کی مثالوں سے واضح کیا۔اس نظم میں ملتِ اسلامیہ پر چھائے ہوئے فکری جمود کو توڑنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔نظم کا آخری بند ملاحظہ کیجیے جس میں مولانا اسلم نے مسلم سیاست، اسلامی تلمیحات، توحید، زندگی کے مقصد اور حق و صداقت کی تعلیم دیتے ہوئے حقِ آزادی کے نصب العین کو فوقیت دی:

زندگی مسلم کی ہے حق کی حمایت کے لیے
شمع ہے وہ سارے عالم کی ہدایت کے لیے

سختیوں پر سختیاں غیروں کی گو سہتا رہے
امرِ حق جو کچھ ہے اس کو برملا کہتا رہے

حق پرستوں کے لیے راحت یہی آزار ہے
آتشِ نمرود ابراہیم پر گلزار ہے

نا امیدی رحمتِ حق سے ہے ایماں کا قصور
ٹل نہیں سکتا ہے ہرگز وعدۂ اتمام نور

نورِ حق شمعِ الٰہی ہے بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہے خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

مولانا اسلم جیراج پوری نے اپنی غزلوں میں قوم و ملت کے مسائل کے علاوہ عشق و رومان بالخصوص، غمِ دوراں، غمِ جاناں، وصال و فراق اور زلفوں کے پیچ و خم کے مضامین کو بھی پیش کیا۔ دراصل مولانا کی غزلوں میں عہدِ شباب کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔غور طلب بات یہ ہے کہ انھوں نے اخلاقی قدروں اور تہذیب و ثقافت کے دائرے میں اصولِ اسلامی کی پاسداری اپنی غزلوں میں کی۔ان کی غزلیں، نظموں کی طرح پیغام سے مملو نظر آتی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے جن میں مولانا اسلم جیراجپوری کے ستھرے اور نکھرے ذوق کے دیدار جا بجا کیے جا سکتے ہیں:

ہائے رے بے خبری یہ نہیں اب تک معلوم
کون محبوب ہے وہ جس پہ کہ شیدا میں ہوں

......

ڈر ہے نہ پڑے فرق تری طرزِ جفا میں
اللہ کرے آئے نہ تاثیر دعا میں

......

کوئی پوچھے ہمارے دل سے اسلم
مزہ عشق بتانِ نازنیں کا

......

مجھ ایسے سوختہ جاں کی نہ داستاں سنیے
کہ اس کے فقرے کلیجہ ہلائے دیتے ہیں

بہرنوع، مبارک باد کے مستحق ہیں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، جنھوں نے اپنی تحقیق و تلاش کے بعد مولانا اسلم جیراجپوری کے کلام کو کتابی صورت میں پیش کیا۔اس کے لیے انھوں نے قدیم رسائل و جرائد کی فائلوں کی دھول کو صاف کیا۔ان کے اس اہم ادبی مشن میں ان کے خردوں اور بزرگوں نے خاصی مدد کی۔کتاب کا پیش گفتار پروفیسر احمد محفوظ نے لکھا جس میں انھوں نے مولانا اسلم جیراجپوری کے کارناموں کو طشت از بام کیا۔انھوں نے لکھا کہ کمیت کے اعتبار سے اگرچہ یہ کلام مختصر ہے لیکن اس سے مولانا جیراجپوری کے ادبی ذوق اور فنِ شعر سے ان کے شغف اور گہری وابستگی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ان کے کلام میں طویل اور مختصر نظموں کے علاوہ غزلیں اور مثنویاں بھی شامل ہیں۔الیاس صاحب نے آغاز سخن میں مولانا اسلم جیراجپوری کے مختصر حالاتِ زندگی اور ان کی سخن دانی پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، ان کی دیرینہ خواہش یہ بھی ہے کہ وہ اس خطے کے مشاہیر کے کارناموں کو بھی کتابی صورت میں پیش کریں۔ موصوف نے مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری کے خانوادے سے علامہ شبلی نعمانی کے تعلقات پر گفتگو کرتے ہوئے ان کی کتابوں، درس و تدریس اور رسالہ 'جامعہ' کی ادارت پر اپنا مطمحِ نظر واضح کیا۔اس موقعے پر راقم الیاس صاحب کی جملہ مساعی کا صدق دل سے احترام کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی کاوشوں سے جیراجپور کے ایک اہم دانشور کے کلام کو کتابی قالب عطا کیا۔☆

اردو ہندی ڈکشنری

مرتّبہ: انجمن ترقی اردو (ہند)

مسلسل چھے سال کی عرق ریزی، محنت اور کثیر رقم خرچ کر کے انجمن نے دس ہزار اردو الفاظ کی ایک اردو ہندی ڈکشنری 1952 میں شائع کی تھی، اس ڈکشنری کی ترتیب کا بنیادی خیال یہ تھا کہ اب جب کہ ہندی ہمارے ملک کی سرکاری زبان قرار پا چکی ہے، آبادی کے ایسے طبقوں کے لیے جن کی مادری زبان اردو ہے، ایک ایسی فرہنگ کی ضرورت ہے جن میں آسانی کے ساتھ تمام اردو لفظوں کے مترادفات مل سکیں اور ان کو یہ معلوم کرنے میں کوئی دقت نہ ہو کہ کس اردو لفظ کے لیے ہندی زبان کا کون سا لفظ موزوں ہوگا۔ چار سال کی مدّت میں زبان کے بہتر سے بہتر ماہرین کی مدد سے یہ مسوّدہ تیار کیا گیا ہے۔ ہندی و اردو لفظوں کا تلفظ رومن رسم الخط میں بھی دیا گیا ہے تاکہ لفظوں کے صحیح تلفظ سے ہندی اور اردو دونوں زبانیں جاننے والے واقف ہو سکیں۔ یہ ڈکشنری نہ صرف طلبہ کے لیے بلکہ علمی کام کرنے والوں کے لیے بھی ہر طرح مفید ثابت ہوئی ہے۔ پہلے یہ لغت ٹائپ کے ذریعے چھاپی گئی تھی، اب ہم نے اسے آفسٹ کے ذریعے شائع کیا ہے۔

قیمت: 300 روپے

اُردو زبان اور اس کا رسمِ خط

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

یہ تمام خوش نما، خوش فکر، سرخ رو الفاظ میرے بیش قیمت لباس پر آب دار موتیوں کی طرح جھلملا کر میری شان میں اضافہ کررہے ہیں۔ میرے وجود کو تسلیم کرچکے ہیں۔

میں ہندستان کی وسیع سرزمین پر پیدا ہوئی، میری پرورش میں فوجی، تاجر، علما، فضلا، شاعر، ادیب، خطاط و خوش نویس، سیاسی قائد، سماجی کارکن، ناقد اور صحافی سب شامل تھے۔ فارسی، عربی جاننے والے تو سب سے زیادہ مجھ سے واقف تھے، میں نے اپنے رسمِ خط کے ساتھ ہی سب کے دلوں پر حکومت کی، لیکن افسوس کہ میرے وطن کو جب انگریزوں کی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی تب میرے ساتھ سب سے زیادہ تعصّب اور تنگ نظری کا سلوک کیا گیا۔ تمام قائدین وقت اس بات کی اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے کہ میں جن علاقوں میں پلی بڑھی، پھلی پھولی، جن پر میرا راج تھا وہ نئے تسلیم شدہ ملک پاکستان میں نہیں تھے۔ وہ ہندوستان میں ہی واقع تھے اور اب بھی اس کا اٹوٹ حصّہ ہیں، میں اس وقت بھی سب کی بہت مقبول اور محبوب زبان تھی، میرے خلاف امتیازی سلوک اور بے بنیاد پروپگنڈہ کیا گیا، اس کا نتیجہ ہے کہ نسلِ نو اس بات سے بھی واقف نہیں ہے کہ میں نے تحریک آزادی میں کیسا ولولہ انگیز کردار ادا کیا تھا، اُس زمانے کی کتب، رسائل و اخبارات میں شائع ہونے والے شعر و ادب، مجاہدین آزادی کی پُر جوش تقاریر اس بات کی گواہ ہیں کہ میں نے ہی ہندستانیوں کو متحد کیا اور برطانوی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کی تھی۔ میری وطن پرستی اور انگریز دشمنی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ میں نے ہی آزادی کا جمہوری تصور پیش کیا، میرے اثر آفریں، نڈر اور بے باک الفاظ میں جدوجہد کرنے والے مجاہدین آزادی کی ایک طویل فہرست ہے جن کے زبان و قلم نے خط نستعلیق میں آزادی کے حصول کے لیے تڑپایا اور دلوں کو گرمایا تھا۔ مجاہدین وقت نے اپنی جدوجہد جہاد اور قربانیوں کے سبب بے پناہ تکالیف برداشت کیں، جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں زندگی کے شب و روز گزارے، وطن کی آزادی کے لیے مال و دولت کو ٹھکرایا، عیش و عشرت قربان کردیا اور جامِ شہادت نوش کرنا پسند کیا۔

بلاشبہ اکیسویں صدی میں میرا شمار عالمی سطح پر مقبولیت حاصل کرنے والی زبانوں میں ہونے لگا ہے اور میں آج بھی باذوق سامعین اور قارئین کے دلوں پر حکمرانی کررہی ہوں۔ میرے معنی خیز، زوداثر الفاظ، دلچسپ، فکر انگیز اشعار ملک کے وزیراعظم سے لے کر ممبر پارلیمنٹ تک پڑھ رہے ہیں، اپنی تقاریر کو ان سے مزین کررہے ہیں، میرا دائرہ روز بروز وسیع ہورہا ہے۔ میری فطرت کی شیرینی، دلکشی، وقار وعظمت دور دراز سمندروں کی وسعتوں کو پار کرکے اپنے وجود کو تسلیم کراچکی ہے، اردو کی نئی نئی بستیاں آباد ہوگئی ہیں، نئے نئے مراکز علمی ادبی شعری مجالس کا انعقاد کررہے ہیں، اردو اکادمیاں ''جشنِ اردو' منارہی ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا کی تیز رفتار ترقی کے ساتھ میں بھی ترقی کی طرف گامزن ہوں۔ میں نہ ختم ہوئی، نہ میرے وجود کو کسی قسم کا خطرہ لاحق ہے، مجھ (اردو) سے مزین تقاریر، شعرا کا کلام، مختصر پیغام (شارٹس) خبریں، سامعین، قارئین اور ناظرین کے ذوق کی آبیاری کررہے ہیں۔

میں صرف سامعہ نواز نہیں باصرہ افروز بھی ہوں۔ میرے رسمِ خط کے حسن و جمال کا اندازہ خطاطی کے اُن دیدہ زیب فن پاروں سے ہوتا ہے جو دنیا بھر کی تاریخی عمارتوں، عبادت گاہوں کی خوب صورتی میں اضافہ کررہے ہیں، خطاطی کی کتابوں کی زینت ہیں، رسائل و اخبارات میں شائع ہوتے ہیں، کسی نمائش میں نظر آتے ہیں، یوٹیوب، فیس بک پر فن کاروں کے ذریعے پیش کیے جاتے ہیں یا کسی خوش ذوق کے ڈرائنگ روم کی زینت بن کر اپنا جلوہ بکھیرتے نظر آتے ہیں، ناظرین، فن کار کی صلاحیتوں کے معترف ہوتے ہیں، میرے حسن کی داد دیتے ہیں۔

میں اور میرا رسمِ خط فن خطاطی کے وسیلے سے فنونِ لطیفہ (Modern Art) کے زمرے میں شامل ہوچکے ہیں، اب میری شہرت عالمی پیمانے پر ہے، دنیا بھر کے باذوق افراد میرے رسمِ خط کی پاکیزگی اور دلکشی کے اسیر ہیں۔ ان کی پُرشوق فن کار نگاہ انھیں مجبور کرتی ہے کہ سیر و تفریح کے دوران میری تصاویر اپنے موبائل میں محفوظ کرلیں اور اپنے گھروں کی زینت بنائیں۔ میرے اردو رسمِ خط چھوڑ کر کسی دیگر زبان کے رسمِ خط کو اختیار کرنے والے اس بات کو فراموش کردیتے ہیں کہ رسمِ خط محض زبان کو معرض وجود میں لانے کا ذریعہ نہیں بلکہ موجدین خط کی شب و روز کی محنت اور ماہر خطاطوں کے ذوقِ جمال کا مظہر ہے، جب کسی زبان کا خوش نویس (Perfect hand writing holder) کاغذ پر اپنا قلم چلاتا ہے یا برش سے کینوس پر لکھتا ہے اس کی تحریر محض ایک بے معنی آواز نہیں اُڑاتا، لہراتا گنگناتا نغمہ معلوم ہوتی ہے۔

عزیزو! یاد رکھیے آپ کے اسلاف نے (اردو) رسمِ خط کو خوب صورت بنانے میں صدیوں تک مسلسل کوشش کی ہے، اس کے ذریعے آرائش و زیبائش کا کام کیا، یہ رسمِ خط صرف خط نہیں خوب صورتی اور رعنائی کا مجسمہ ہے، جب تک دنیا میں تحقیق و تجسس، فن کاری اور فنونِ لطیفہ کی مشعلیں روشن رہیں گی، اردو زبان اور اردو رسمِ خط کی قدردانی کرنے والوں کے درخشاں کارناموں کی تابندگی بھی قائم رہے گی۔

'خط' وہ بھی 'خوش خط'! آخر کیوں؟ خط (ہینڈ رائٹنگ) صرف لکھنے کی مہارت کا اظہار نہیں بلکہ لکھنے والے کی شخصیت کا آئینہ ہے۔ خط (ہینڈ رائٹنگ) عادات و اطوار، ذوق و شوق، غور و فکر، غرض شخصیت و کردار سے متعلق کئی پہلوؤں کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں طالبِ علموں کا خط ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، ان کے خط میں ان کے والدین کی تربیت، خاندانی اثرات، ماحول کے ساتھ پروان شدہ ذوقِ جمال کا عکس نظر آتا ہے۔ ہر انسان میں حسن پسندی کا جذبہ قدرتی طور پر پایا جاتا ہے، یہی ذوقِ جمال اور حسن تخیل اُسے زیب و زینت کی طرف مائل کرتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے دوران اعلیٰ ذوق رکھنے والے مربی (والدین وغیرہ) اور ماہر استاد کی صحیح رہنمائی سے شخصیت میں نکھار آجاتا ہے۔ اس کی نگاہ جوہر شناس اور اس کا خط جاذب نظر بن جاتا ہے، اپنے خط کے حسن و جاذبیت سے قدرتاً اسے احساس مسرت کا انکشاف ہوتا ہے۔ یہی انکشاف حسن اس کی شخصیت کو سنوارتا اور اس میں خوداعتمادی کو پروان چڑھاتا ہے۔

قدرت کا قانون ذہن نشیں کیجیے: ''صبر و استقلال اور محنت کا پھل میٹھا ہوتا ہے'' اردو زبان و ادب کے فروغ اور رسمِ خط کی تعلیم و تدریس کے لیے اجتماعی اور انفرادی کوششیں بارآور ثابت ہوں گی۔ اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر اپنے بزرگوں کے اصولوں کو اپنا کر اس منزل کا راستہ تلاش کرنا ہوگا۔

آپ کا بجٹ اور آپ کا فرض: اردو رسمِ خط میں شائع ہونے والے اخبار، ادبی رسائل، علمی ذوق سے آشنا کرنے والی کتابیں خریدیے۔ انھیں باقاعدہ پڑھ کر سنائیے ☆ بچوں میں لائبریری قائم کرنے کے شوق کو پروان چڑھائیے ☆ کسی خبر یا موضوع پر گفتگو کیجیے ☆ اچھے برے پہلو پر ناقدانہ تبصرہ کیجیے ☆ خوش خط اردو کی تعلیم و تربیت کی فکر کیجیے ☆ کم عمر بچوں سے سلیٹ پر چاک کی مدد سے اور بڑے بچوں کو پنسل یا قلم سے کاغذ پر خوش خط اردو لکھنے کی مشق کروائیے ☆ کسی استاد سے اصلاح کا انتظام کیجیے ☆ اخبار یا رسالے کی سرخی یا منتخب الفاظ/عبارت کی نقل کروائیے ☆ کسی موضوع پر غور کرنے اور رسمِ خط میں لکھنے کی مشق کے ذریعے درجہ بہ درجہ تربیت کی کوشش جاری رکھیے ☆ موسم گرما کی تعطیلات میں گھر کے اندر اور سمر کلاسیز میں اردو زبان و ادب اور رسمِ خط کی تعلیم کی فکر کیجیے تاکہ فرصت کے وقت کا صحیح استعمال ہوسکے۔

میرے عزیزو، میرے قدردانو! آپ کا اپنی وراثت کو اپنی نسلِ نو میں منتقل کرنے کی فکر کرنا انتہائی خوش گوار عمل ہے کیوں کہ آپ سرپرست ہیں اور اچھا سرپرست (اساتذہ، والدین) اگلی صف میں اعلا اوصاف دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ یہ ہماری اردو زبان اور موجودہ نسل ہماری امانت ہے، اپنی زبان کے تحفظ و ارتقا اور نسل نو کی رُخ ساز تربیت کی فکر ہی شاہراہِ زندگی پر کامیاب سفر کی نشاندہی کرتی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

کسے تہذیب کہتے ہیں وہ خود ہی جان جائیں گے
تم اپنے اپنے بچوں کو فقط اردو سکھا دینا

H.No.8, Near All Saint's College,
Idgah Hills, Bhopal- 462001 (M.P.)
Mob.No.: 08839933537

بین المذاہب ہم آہنگی کے عنوان پر یک روزہ سمینار...

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے

دوسرے کو چوٹ نہ پہنچائیں۔ یہ کثیر لسانی، مذہبی اور تہذیبی ملک ہے اس لیے یہاں بین المذاہب مکالمے کی زیادہ ضرورت ہے۔

سیشن کے پہلے مقرر ڈاکٹر دنیش دوبے نے کہا کہ جب کوئی آئین نہیں تھا اس وقت بھی مذہب تھا، مذہب نے ہی تہذیب کو روشنی پہنچائی۔ دوسرے مقرر جناب ایم ودود ساجد نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بین المذاہب ہم آہنگی کو واضح کیا۔ سیشن کے آخری مقرر جناب محمد وجیہ الدین نے میڈیا کے کارناموں اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی۔

اختتامی سیشن میں 'بین المذاہب روایات اور بھارت کا مشترکہ ثقافتی ورثہ' کے عنوان سے مقررین نے اظہارِ خیال کیا۔ اس کی صدارت پروفیسر خواجہ عبدالمنتقم نے کی جب کہ بحیثیت مہمانِ خصوصی پروفیسر محمد افشار عالم (وائس چانسلر، جامعہ ہمدرد) شریک ہوئے۔ ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد، ڈاکٹر محمد شمس اقبال، پروفیسر دویہ تنور، پروفیسر محمد قطب الدین، پروفیسر ذاکر خان ذاکر اور جناب فائنان احمد خواجہ، بطور پینلسٹ شریک ہوئے۔ نظامت ڈاکٹر آمنہ مرزا نے کی۔

مہمانِ خصوصی پروفیسر افشار عالم (وائس چانسلر جامعہ ہمدرد) نے کہا کہ ہندستان ایک روحانی سرزمین ہے، ہمارا مشترکہ ثقافتی ورثہ بہت ہی ثروت مند ہے، یہاں کے صوفیوں اور رشی منیوں نے اپنے اخلاقی عمل اور روحانی تعلیمات سے اس ورثے کو تقویت عطا کی جس کے اثرات آج بھی ہمارے یہاں نمایاں ہیں۔ اس سیشن کے اپنے صدارتی خطاب میں پروفیسر خواجہ عبدالمنتقم نے کہا کہ ہمارا ملک ہمیشہ سے مشترکہ تہذیب کا گہوارہ رہا ہے اور تنوع کے باوجود یہاں باہمی احترام اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ خواجہ افتخار احمد نے کہا کہ ہندستان انسانیت کی ابتدا کی سرزمین ہے۔ اسی طرح فائنان احمد خواجہ نے کہا کہ ہندستان کی بنیادی شناخت اخلاقی کردار ہے۔ پروفیسر ذاکر خان ذاکر نے ہندستان کی مذہبی اور تہذیبی تاریخ کی روشنی میں بین المذاہب اور مشترکہ ثقافتی ورثہ کو واضح کیا۔ دوسرے مقرر پروفیسر محمد قطب الدین (جے این یو) نے ہندستان کی مشترکہ ثقافتی وراثت پر روشنی ڈالی۔ پروفیسر دویہ تنور (بانی دویہ فاؤنڈیشن) نے بین المذاہب ہم آہنگی کے عملی اقدامات پر گفتگو کی۔ اس سمینار کا اختتام قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد شمس اقبال کے کنکلوڈنگ ریمارکس اور اظہارِ تشکر پر ہوا۔

گلزار کی تروینی-تروینی یا ثلاثی؟

کوثر صدیقی

کلاسکی اور دیگر مسلّمہ شعری اصناف میں کچھ نیا کر کے دکھانے یا معیاری ادب کی تخلیق کی دِقّت طلب ڈگر سے بچنے کی غرض سے اِس دَور میں سہل روی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اکثر شعرا کی خواہش ہوتی ہے کہ کچھ ایسی شارٹ کٹ روش اختیار کی جائے جس سے کم وقت اور کم محنت کے باوجود ادب میں شناخت قائم ہو جائے اور تاریخ میں نام بھی رقم ہو جائے۔ کوشش ہوتی ہے کہ کوئی نئی صنفِ سخن ایجاد کر کے اُس کے موجد ہونے کا سہرا اپنے سر باندھ لیا جائے۔ پانچ سطری، چار سطری، تین سطری، دوسطری، ایک سطری جیسی اور کئی اصناف کی ایجاد اِس کی مثالیں ہیں۔

اِن نئی شعری اصناف کے موجدوں میں فلمی اور ادبی دُنیا کے ایک قد آور اہلِ قلم جناب گلزار بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اُنھوں نے 'تروینی' کے نام سے ایک نئی سہ مصرعی شعری صنف کے موجد ہونے کا اعلان کیا ہے۔

گلزار صاحب دورِ حاضر میں فلم انڈسٹری کی ایک نابغۂ روزگار شخصیت کا نام ہے۔ اُنھیں جتنے اعزاز ملے ہیں شاید ہی کسی کو ملے ہوں۔ آسکر ایوارڈ، پدم بھوشن، گیان پیٹھ ایوارڈ، ساہتیہ اکادمی ایوارڈ، فلم ساز دادا پھالکے ایوارڈ، 8 فلم فیر ایوارڈ کے علاوہ ہدایت کار، فلم اسکرپٹ رائٹر، فلم ساز، فلمی نغمہ نگار اور ان سب اعزاز کے علاوہ اُردو کے شاعر بھی ہیں۔

فلموں کی طرح اُردو ادب میں اپنا اعلا مقام بنانے کی غرض سے انھوں نے سہ مصرعی ایک نئی صنف 'تروینی' کے ایجاد کرنے کا شارٹ کٹ طریقہ اختیار کیا۔ انھوں نے اس نئی صنف کی یہ تعریف بیان کی ہے۔

''میں نے شاعری میں ایک نیا فارم (Form) پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس کا نام تروینی رکھا ہے۔ اب یہ ہائیکو بھی نہیں اور مثلث بھی نہیں۔ تیسرا مصرع روشن دان کی طرح کھلتا ہے اُس کی روشنی میں پہلے شعر کا تاثر بدل جاتا ہے۔ تیسرا مصرع تبصرہ یا رائے یا (Comment) بھی ہوسکتا ہے، اضافہ بھی۔ تروینی ایک شوخی اور Surprise کا رنگ ہے''۔

سہ مصرعی نظم جسے ثلاثی کہیے یا مثلث یا تروینی ایک قدیم مسلمہ شعری صنف ہے۔ یہ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ غزل۔ غزل ہندستان میں براہِ ایران آئی ہے جب کہ ثلاثی کے موجد بابا بندہ نواز گیسو دراز (1312-1421) گلبرگہ ہیں جن کی یہ ثلاثی بہت مشہور ہے:

اُو معشوق بے مثال نورِ نبی میں پایا
اور نورِ نبی رسول کا میرے جیون میں بھایا
اپسیں اپیں دیکھارے کیسی آرسی لایا

اِس سے ثابت ہے کہ ثلاثی تیرہویں صدی کی ایجاد ہے لیکن اُردو شعرا نے اِس صنف کی طرف توجہ نہیں دی۔ بیسویں صدی میں مغربی ادب کے ملک میں قدم رکھنے کے بعد اُردو میں نئی اصناف وجود میں آئیں، وہیں قدیم اصناف کا احیا بھی ہُوا۔ نئی اصناف میں ماہیے، مزاحیے، ہائیکو اور ترائیلے کا ادب میں داخلہ۔ قدیم اصناف میں ثلاثی کا احیا ہوا اِسی عمل میں 'تروینی' بھی۔

گلزار کے قد وقامت سے مرعوب ہو کر کئی اربابِ نقد ونظر نے اِسے ایک نوزاد شعری صنف تسلیم کرتے ہوئے اُس کے فروغ کے امکانات کا اظہار بھی کیا لیکن کچھ شاعروں کو چھوڑ کر کسی نے توجہ نہیں دی جو اِس کے حال اور مستقبل کا غماز ہے۔ گلزار صاحب کے بلند قد وقامت سے قطعاً انکار نہیں لیکن کسی زاویۂ نگاہ سے بھی تروینی کو اُن کی ایجاد کردہ نئی صنف تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ اُنھوں نے اِس کے مثلث (ثلاثی) ہونے سے انکار کیا ہے لیکن ہیئت اور ساخت کے اعتبار سے یہ خالص ثلاثی ہے، ثلاثی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ردیف وقوافی آزاد کر دینے سے یا بنیادی خیال کو اپنے مخصوص انداز میں ادا کرنے سے ثلاثی کی ہیئت پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔ نہ کسی نئی صنف کے وجود میں آنے کا جواز بنتا ہے۔ آج کل کئی نئی سہ مصرعی اصناف مثلاً ماہیا، ہائیکو، ترانہ، سین ریوز، مزاحیے جیسی نظمیں موجود ہیں اور رباعی کی طرح اُن کے اوزان اور ارکان مقرر ہونے کی وجہ سے ہر صنف کی آزادانہ شناخت قائم ہے۔ اِس کے برعکس ثلاثی کے ارکان واوزان آج تک طے نہیں ہیں۔ تینوں مصرعے کسی بھی بحر کے مختلف اوزان وارکان میں کہے جاتے رہے ہیں، ردیف وقوافی کی قید میں بھی اور آزاد بھی۔ ہر صورت میں جب یہ ثلاثی ہیں تو گلزار کی تروینی کوئی صنف کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

گلزار صاحب کا یہ موقف کہ (تروینی میں) تیسرا مصرع روشن دان کی طرح کھلتا ہے جس کی روشنی میں پہلے شعر کا تاثر بدل جاتا ہے، اِس لیے قابلِ قبول نہیں ہے کہ ثلاثی کے تین مصرعوں میں شاعر اپنے خیال کو کس انداز میں پیش کرتا ہے، اپنی علمی لیاقت اور صلاحیت کی بنا پر قاری پر کس طرح اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا ہے، یہ معاملہ خالص اظہار و بیان کا ہے۔ اِس میں ندرت اور جدت پیدا کرنے کے عمل کو کسی صورت میں نئی صنف کی ایجاد قرار نہیں دیا جاسکتا۔ گلزار صاحب نے تین مصرعوں میں جن خیالات کو قلم بند کیا ہے وہ ثلاثی کے فریم کے اندر ہیں، اِس لیے تروینی نام کی نئی صنف کی ایجاد کا دعویٰ ادبی دیانت داری اور حقائق کے خلاف ہے۔ اِسے یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شاعر پہلے دو مصرعوں میں حضرت امیر خسرو کی کہہ مکرنیوں کی طرح کوئی پہیلی منظوم کر کے تیسرے مصرعے میں اُس کا جواب پیش کرے تو کیا اُسے نئی صنف قرار دیا جاسکتا ہے۔

راقم الحروف نے بحرِ خفیف سالم سدس سے برآمد ارکان 'فاعلاتن مفاعلن فعلن' میں قریب دو ہزار ثلاثیاں کہی ہیں۔ یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ مسدس کی طرح ثلاثی بھی ایسی صنف ہے جس میں مرثیے کی طرح ایک خیال کو سو طرح سے باندھا جاسکتا ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے راقم الحروف نے اُردو ہندی کی باہمی چپقلش کے واحد موضوع پر 358 ثلاثی کہی ہیں۔ 'فریادِ اُردو بچاری' کے عنوان کے تحت 31 بندوں پر مشتمل نظم بھی کہی ہے جو 'بچاری اردو' (مطبوعہ 2006) میں شامل ہے۔ اِس کا اعتراف مجتبیٰ حسین، یوسف ناظم، مناظر عاشق ہرگانوی، فراز حامدی وغیرہ نے کیا ہے۔

گلزار صاحب کی دو تروینیاں برائے ملاحظہ:

-1 سب پہ آتی ہے سب کی باری ہے
موت انصاف کی علامت ہے
زندگی سب پہ کیوں نہیں آتی

-2 اُف یہ بھیگا ہُوا اخبار
پیپر والے کو کل سے چینج کرو
پانچ سو گاؤں بہہ گئے اِس سال

ثلاثی اُردو کی چھے سو سالہ قدیم صنف ہے اِس کے مُوجد حضرت سیّد محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز (گلبرگہ) ہیں۔ بندہ نواز کے اتباع میں اُن کے مریدوں نے بھی ثلاثی کہی ہیں۔ اُس کے بعد ہر دَور کے شعرا نے بھی ثلاثی کہی ہیں۔ دورِ حاضر میں سلام مچھلی شہری، رفعت سروش، شاد عارفی، حمایت علی شاعر، راقم (کوثر صدیقی) وغیرہ نے اِس صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ اِس صنف کے چھے سو سال قدیم ہونے کے باوجود حیرت ہے کہ حمایت علی شاعر جیسے شاعر اُس کے موجد ہونے کا دعوا کر رہے ہیں۔ گلزار صاحب نے اعتراضات سے بچنے کے لیے خود کو ثلاثی کا موجد تو قرار نہیں دیا لیکن ثلاثی کے فریم میں اظہارِ خیال اور ندرتِ بیان کو بنیاد بنا کر 'تروینی' نامی نئی صنف کے موجد ہونے کا اعلان کیا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے، اہلِ نقد ونظر کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔

79-A, GINNORI, Main Road, Bhopal-462001
kausardiddiqui701@gmail.com
Mob. No. 9926404171

مدیر : **اطہر فاروقی**
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***